محمد ثروت خاں

عہدِ غزنوی کی علمی و ادبی سرگرمیاں

(۲)

غزنوی دور کے نثر نگار

عہدِ غزنوی میں شاعری کے ساتھ ہی نثر نگاری کو بھی فروغ ہوا۔ اس دور کے اہل علم اور نثر نویس اگرچہ شعراء کی طرح زمانہ سرپرستیوں سے محروم رہے لیکن اس کے باوجود اس عہد کا نثری سرمایہ نظم کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے بلکہ فی الحقیقت یہی وہ علمی اور ادبی سرمایہ ہے جس کی بدولت غزنوی دور کو علم و ادب کی تاریخ میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

مدارس

مصنفوں اور نثر نویسوں کے ساتھ اگرچہ غزنی کے حکمرانوں کا سلوک عباسی خلفاء کی طرح حوصلہ افزا نہیں تھا لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ وہ اس طرف سے قطعی غافل تھے۔ حکومت نے عالموں اور مصنفوں کی امداد کے مختلف طریقے نکال رکھے تھے۔ ان کو سرکاری عہدے دیئے جاتے تھے۔ سفارتوں پر روانہ کیا جاتا تھا۔ محکمۂ قضاۃ پر تو ان ہی کی اجارہ داری تھی اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مدرسوں میں معلم اور مدرس کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہ مدرسے مملکت میں ہزاروں کی تعداد میں قائم تھے۔ محمود غزنوی، مسعود اور ابراہیم کے زمانہ میں تو اس طرف خاص طور پر توجہ دی گئی۔ حکومت ان مدرسوں کو امداد دیتی تھی اور ان کے اخراجات کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں۔ اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ عوام چندہ جمع کر کے مدرسے قائم کرتے تھے اور ان کے لیے املاک وقف کر دیتے تھے۔ اس منظم تعلیمی نظام کی وجہ سے اس دور کے علما کو ایک ایسے زمانہ میں جب کہ زندگی نہایت ارزاں تھی، کم از کم ایک قسم کی معاشی یکسوئی حاصل ہوتی تھی اور وہ اس قابل تھے کہ پورے سکون و اطمینان کے ماحول میں بغیر کسی پابندی کے تصنیف و تالیف کے مشاغل اختیار کر سکیں۔ عہدِ غزنوی کے مصنفوں کے حالات

سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مالی بدحالی کا بالعموم شکار نہیں ہوتے تھے اور ایک عالم اور مصنف کے لیے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ علاوہ اس کے ماحول بھی سازگار تھا اور تحقیق کرنے کے لیے غزنی اور دوسرے شہروں میں اچھے خاصے کتب خانے بھی تھے۔

اہل علم کی دربار سے بے تعلقی

علماء اور حکماء کے سرکاری سرپرستی سے محروم ہونے کی ایک بڑی وجہ خودداری کا وہ جذبہ بھی ہے جو اس قسم کے لوگوں اور تخلیقی صلاحیت رکھنے والوں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ ایک بڑا عالم جھوٹی خوشامد سے دور ہوتا تھا اور اس کے پاس بادشاہ کو جا اور بے جا خوش کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہوتا تھا۔ غیر فانی ادب پارے اور علمی شاہکار ہمیشہ خونِ جگر سے تیار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دل کی خواہش سے تکمیل پاتے ہیں دوسروں کے کہنے پر ظہور میں نہیں آتے۔ اس لیے اس قسم کے کام کرنے والے درباروں سے دور ہی رہتے تھے۔ چنانچہ اس دور کے تمام شاہکار شاہی دربار کی حدود سے باہر ہی مکمل ہوئے۔ قانون مسعودی پر مسعود نے البیرونی کو سونے میں تلوا دیا لیکن جب یہ رقم اس کو دی گئی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ خود شعراء میں بھی فردوسی کو جو غیر فانی عظمت حاصل ہوئی وہ سلاطین غزنی کے قصیدہ گو شاعروں کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہنامہ اس کے اپنے دل کی آرزو تھی اور وہ کسی سلطان کی خواہش کا نتیجہ نہیں تھا۔ اسی طرح سنائی نے بھی اسی وقت عظمت حاصل کی جب وہ دربار سے علاحدہ ہو گئے۔ عہد غزنوی کے بھی دو شاعر ہیں جن کے شہ پارے عظیم کہلانے کے مستحق ہیں اور جن کو قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی اور یہ دونوں دربار سے باہر مرتب ہوئے۔

ممتاز نثر نگار

آیئے اب ہم اس عہد کے نثر نگاروں پر بھی فرداً فرداً ایک نظر ڈال لیں۔ سب سے پہلے ادب اور لسانیات کو لیجئے۔ اس موضوع پر ہمیں تین بڑے مصنف نظر آتے ہیں۔ جوہری۔ ہمدانی اور ثعلبی۔

جوہری

جوہری کا پورا نام ابونصر اسمٰعیل جوہری ہے۔ ترکی النسل ہیں اور فاراب میں پیدا ہوئے تھے اس دور کے اہل علم میں تحقیق اور جستجو کا جو جذبہ پایا جاتا تھا جوہری اس کے بڑے اچھے نمائندہ ہیں۔ انھوں نے دور دراز بغداد میں تحصیل علوم کی اور اس کے بعد عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے اور

اپنی مجوزہ لغت کے لیے مواد حاصل کرنے کے لیے عراق، شام اور حجاز کا سفر کیا۔ انہوں نے ربیعہ اور مضر کی زبان پر خاص طور پر توجہ دی۔ اس کے بعد نیشاپور آکر سکونت اختیار کر لی جہاں ۳۹۳ھ، یا ۳۹۸ھ یا ۴۰۰ھ میں وفات پائی۔ وہ نیشاپور میں عربی صرف و نحو اور خوشنویسی کی تعلیم دیتے تھے۔ نیشاپور ہی میں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاج اللغات" مرتب کی جو صحاح جوہری کے نام سے مشہور ہے اور فیروزآبادی کی قاموس سے زیادہ صحیح سمجھی جاتی ہے۔ جوہری اس لغت کو اپنی زندگی میں صرف "د" کی ردیف تک صاف کر سکے تھے۔ باقی حصہ ان کی موت کے بعد صاف کیا گیا۔ جوہری لغت دان ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے اور وہ اپنے خط کی عمدگی میں مشہور خطاط ابن مقلہ اور مہلہل کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ان کا لکھا ہوا قرآن سو دینار میں فروخت ہوتا تھا۔

ہمدانی

بدیع الزمان ہمدانی ہرات کا رہنے والا تھا اور اسی شہر میں اس نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی۔ ہمدانی عربی زبان کا ایک بے مثل ادیب ہے۔ اس کی کتاب "مقاماتِ ہمدانی" عربی ادب کی بلند پایہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا طرزِ تحریر بعد کے ادیبوں کے لیے عرصہ دراز تک نمونہ بنا رہا۔ حریری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مقاماتِ حریری" اسی کے انداز میں لکھی ہے۔ ہمدانی نے مقامات کے علاوہ نثر میں اور کتابیں بھی لکھی ہیں وہ شاعر بھی تھا اور بقول ابن خلکان اس کی نظم بلیغ ہوتی ہے۔

ہمدانی کی موت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ اس کو سکتہ ہو گیا تھا۔ لوگ سمجھے کہ مر گیا اور جلدی میں دفن کر دیا۔ بعد میں رات کے وقت جب قبر سے چیخنے کی آوازیں آئیں تو لوگوں نے کھود کر نکالا۔ لیکن ہمدانی کے دل پر قبر کا ایسا ہول بیٹھ گیا تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا اور فوراً مر گیا۔

ثعلبی

ابو المنصور عبد الملک ثعلبی (۳۵۰ - ۴۲۹ھ) نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ لیکن انتقال غزنی میں ہوا۔ وہ ادب اور تاریخ میں امام وقت سمجھے جاتے تھے اور ان چند مصنفوں میں سے تھے جن کا دربارِ غزنی سے مستقل تعلق تھا۔ بغداد جا کر خلیفہ سے محمود غزنوی کے لیے یمین الدولہ کا خطاب انہوں نے ہی حاصل کیا تھا۔ محمود کے بھائی نصر کی فرمائش پر جو ۳۸۹ھ سے ۳۹۵ھ تک خراسان کا گورنر تھا "کتاب الغرر" کے نام سے ایک تاریخ لکھی اور اپنی مشہور کتاب "یتیمہ" کا تتمہ مسعود کے نام معنون کیا تھا۔

علامہ ثعلبی بڑے کثیر التصانیف تھے۔ خوش قسمتی سے ان کی کتابوں کی ایک بڑی تعداد اب تک محفوظ ہے اور متعدد کتابیں طبع بھی ہوگئی ہیں۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور "یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر" ہے۔ یہ عربی زبان کے شعراء کا ضخیم تذکرہ ہے اور چار جلدوں میں ہے۔ خاص طور پر عربی زبان کے غیر عرب شعراء کے حالات اور انتخاب کلام دیکھنے کے لیے ایک نادر کتاب ہے۔

ثعلبی کی "کتاب الغرر فی سیر الملوک" جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ایک خالص تاریخی تصنیف ہے جس میں تخلیق آدم سے سلطان محمود غزنوی کے سنہ جلوس تک تمام اقوام کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں بائیس ابواب ہیں۔ گیارہ ابواب ایران، مصر، یمن، روم، شاہان ترک اور چین کے قبل از اسلام کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ باقی ابواب میں ایک باب برامکہ پر اور آخری باب سبکتگین کے حالات پر ہے۔ کامل کتاب نایاب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک نفیس نسخہ فرانس کے کتب خانہ ملی میں محفوظ ہے۔ معلوم نہیں کہ اس میں کتاب کا آخری باب موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود ہے تو سبکتگین کے عہد کے بعض تاریک گوشوں پر ممکن ہے کہ اس سے کچھ روشنی پڑے۔

ثعلبی کی دوسری تصانیف تفریحی ادب، ضرب الامثال، بلاغت اور لغت پر مشتمل ہیں۔ ان میں بعض مثلاً لطائف المعارف اور لطائف والظرائف وغیرہ اگرچہ لطیفوں کی کتابیں ہیں لیکن تاریخی واقعات اور مفید معلومات کا ایسا اچھا ماخذ ہیں جن سے ابھی تک فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔

مشکان

بدیع الزمان ہمدانی نے جس طرز تحریر کی بنیاد ڈالی تھی اس نے جلد ہی مقبولیت حاصل کر لی اور غزنوی دور ہی میں دو مصنفوں نے اس طرز تحریر میں امتیاز حاصل کر لیا۔ ان میں ایک عتبی ہے جس کا تذکرہ آگے مؤرخوں کے سلسلہ میں کیا جائے گا اور دوسرا ابونصر مشکان ہے۔ ابونصر مشکان متوفی ۴۳۹ھ اس دور کے مشہور مؤرخ بیہقی کا شاگرد تھا اور مسعود کے زمانہ میں "دیوان رسالت" کا عہدہ اس کے سپرد تھا۔ مشکان عربی میں اشعار بھی کہتا تھا۔ لیکن اس کی شہرت زیادہ تر "مقامات" کی وجہ سے ہے جو ہمدانی کے طرز پر اس نے لکھی ہے۔

دوسرے مصنف

اوپر جن ادیبوں کا ذکر ہوا ہے وہ سب عربی زبان میں لکھتے تھے جو نثر کے لیے مخصوص ہوگئی تھی لیکن عہد غزنویہ میں فارسی نثر میں بھی تصانیف کا آغاز ہوگیا تھا۔ خصوصاً فارسی شاعری کے

قواعد وضوابط اسی دور سے مدون ہونا شروع ہوتے ۔ چنانچہ بہرام سرخسی نے فن شعر کے متعلق کئی کتابیں لکھیں اور فرخی نے علم بیان ومعانی میں ترجمان البلاغت کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی یہ کتابیں جلد ہی شاعری کا نصاب مقرر ہوگئیں ۔ فردوسی کے بھانجے اسدی نے "لغت فرس" کے نام سے فارسی کی ایک لغت بھی تیار کی ۔ اس نے ابو منصور موفق کی قرابادین کا ترجمہ بھی فارسی میں کیا ۔ یہ قرابادین فارسی کا قدیم ترین مخطوطہ ہے جو اس وقت موجود ہے ۔ اسدی کی لغت ۱۸۹۷ء میں گوٹنجن میں طبع ہو چکی ہے ۔

فقہا و محدثین

مذہبی علوم کا جہاں تک تعلق ہے اس دور میں فقہا اور محدثین کی ایک کثیر تعداد نظر آتی ہے ۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد سے اگرچہ اسلامی دنیا مستقل فقہی مذاہب میں تقسیم ہو گئی تھی اور تقلید کی روح تیزی سے سرایت کرتی جا رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس دور کے علما میں ایک بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے جو درجۂ اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے ۔ ان میں خاص طور پر حاکم اور بیہقی کا پایہ بہت بلند ہے فقہ اور حدیث کا طالب علم آج بھی ان تحقیقات کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو ان علوم میں ان دو محدثین نے کی ہیں ۔

حاکم نیشاپوری

ابو عبداللہ محمد حاکم نیشاپوری (۳۲۱ - ۴۰۵ھ) سامانی اور غزنوی دونوں عہد سے تعلق رکھتے ہیں ۔ وہ سامانی دور میں جرجان اور نیشاپور کے قاضی رہ چکے تھے اور اسی رعایت سے وہ حاکم عرف سے مشہور ہوئے ۔ ان کی زندگی کے آخری اٹھارہ سال غزنوی دور میں گذرے ۔ حاکم اپنے زمانہ میں علمائے حدیث کے امام تھے ۔ ان کی تصانیف کی تعداد بے شمار ہے ۔ ان میں دو کتابیں بہت اہم ہیں ۔ ایک "مستدرک علی الصحیحین" اور دوسری "معرفت علوم الحدیث" ۔ مستدرک میں انہوں نے وہ احادیث جمع کی ہیں جو بخاری اور مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے ان کو اپنے مجموعوں میں شامل نہیں کیا ۔ بعد کے ناقدین حدیث نے حاکم کی جمع کردہ ان احادیث میں سے بعض کو رد کر دیا اور بعض کو تسلیم کر لیا ۔ کتاب "معرفت علوم الحدیث" میں حاکم نے باون ایسے علوم اور شرائط سے بحث کی ہے جو فن حدیث کے اصول و ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں اور فن حدیث کی تکمیل کے لیے جن کا جاننا ضروری ہے ۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر اس قدر جامع ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے ۔

بیہقی

احمد بن حسین بیہقی (۴۸۳-۴۵۴) حاکم کے انتقال کے وقت اکیس سال کے تھے۔ حاکم کا تعلق اگر سامانی اور غزنوی دور سے ہے تو بیہقی کا تعلق غزنوی اور سلجوقی دَور سے ہے۔ حاکم کی طرح بیہقی بھی اپنے دور کے سب سے زیادہ کثیر التصانیف علمار کے طبقہ سے ہیں۔ فقہ شافعی سے متعلق ان کی "کتاب النصوص" بنیادی کتابوں میں سے ہے۔ یہ کتاب دس جلدوں میں ہے۔ لیکن ان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب "سنن والآثار" ہے۔ یہ احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ ہے جو ایک نئی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک نایاب نسخہ جس پر خود بیہقی کے دستخط ہیں قاہرہ میں موجود ہے فن اخلاق پر بھی انہوں نے "شعب الایمان" کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی ہے۔

دیگر علمار

حاکم اور بیہقی کے بعد حسب ذیل علمار بھی جو ان کے معاصر تھے اس دور میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے:

ابن خورک۔ متوفی ۴۰۶ھ۔ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ عرصہ تک عراق اور رے میں درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد اہل نیشاپور کی دعوت پر نیشاپور آ گئے اور وہیں قیامت گزیں ہو گئے۔ عوام نے چندہ جمع کر کے ان کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کر دیا تھا جس میں وہ درس دیتے تھے ابن خورک اپنے زمانہ کے ایک ممتاز ادیب، نحوی، متکلم اور اصولی تھے۔ وہ تقریباً سو کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے غزنی جا کر بھی مناظروں میں حصہ لیا۔

عبیداللہ دبوسی سمرقندی۔ متوفی ۴۳۰ھ۔ ماوراءالنہر کے مشہور حنفی عالم تھے۔ علم "خلاف" کے موجد ہیں۔ مناظرہ اور دلائل کے استخراج میں ضرب المثل تھے۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف "اسرار" ہے۔

امام صعلوکی۔ متوفی ۴۰۴ھ۔ نیشاپور کے قاضی القضاۃ تھے۔ خراسان کے فقہار اگر کسی مسئلہ پر اختلاف کرتے تو آخری فیصلہ کے لیے وہ مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا۔ انہوں نے سلطان محمود کی سفارت کی خدمات بھی انجام دیں۔

صوفیار

تصوف کے معاملہ میں بھی یہ دور بڑا ہی زرخیز ہے۔ بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ دور علم تصوف کا عہد زریں تھا تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ اس دور میں مشائخ اور صوفیا کی ایسی کثرت تھی کہ ان کے حالات پر

مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ خراسان تصوف کا سب سے بڑا مرکز تھا اور شیخ ہجویری کی تصنیف کشف المحجوب کا پورا ایک باب معاصر صوفیہ اور ان کے رموز و اشارات پر ہے۔ اس دور کے تصوف کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ابھی تک نوافلاطونی فلسفہ اور ہندی ویدانت سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ اسلامی رنگ گہرا تھا اور طریقت پر شریعت کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے گمراہی اور بے عملی کے وہ تمام راستے بند تھے جو بعد میں کھل گئے۔

اس دور کے عظیم صوفیہ میں ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری۔ شیخ علی ہجویری۔ عبداللہ انصاری اور سنائی کے نام ممتاز ہیں۔ ان میں سنائی کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ قشیری (۳۷۶ء - ۴۶۵) اور عبداللہ انصاری (۳۹۶ - ۴۸۱ھ) اگرچہ عہد غزنویہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی تصانیف چونکہ سلجوقی دور میں مکمل ہوئیں اس لیے ان کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں۔ لہٰذا ذیل میں صرف ابوسعید ابوالخیر اور شیخ علی ہجویری کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ابوسعید ابوالخیر

ابوسعید ابوالخیر (۳۵۷ - ۴۴۰ھ) دنیائے تصوف کی بڑی باعظمت شخصیت ہیں۔ خراسان کے قصبہ مہنہ میں پیدا ہوئے۔ مرو میں دس سال گذار کر فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سرخس چلے گئے جہاں عہد سامانی کے مشہور صوفی ابوسراج کے شاگرد ابوالفضل بن حسن کی صحبت میں تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ اپنے وطن میں گذرا لیکن نیشاپور میں بھی ان کا قیام رہا۔ یہاں ان کے خطبات نے بڑی ہر دلعزیزی حاصل کی لیکن بعض فرقوں مثلاً کرامیوں، شیعوں اور اصحاب اسرات کو ان سے شکایت پیدا ہوئی۔ ان پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آیات و احادیث کے ساتھ اشعار بھی پڑھتے تھے۔ محمود غزنوی نے اس پر تحقیقات کا حکم دیا لیکن پھر یہ مخالفت جلد ہی ختم ہو گئی۔

شیخ ابوسعید کوئی بڑے مصنف نہیں تھے۔ رسالہ تحفہ کے نام سے علم توحید پر ایک کتاب لکھی ہے۔ لیکن ان کا علمِ باطنی اتنا زبردست تھا کہ مشہور فلسفی طبیب ابن سینا نے نیشاپور میں ایک ملاقات کے بعد ان کی عظمت کا اعتراف ان کے سامنے ان الفاظ میں کیا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ دیکھتے ہیں"۔ شیخ ابوسعید کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے رباعیات کے ذریعہ صوفیانہ خیالات کا اظہار کیا۔ یہ رباعیات آج تک مقبول ہیں۔ ان میں جوشِ عشق کو سادہ اور

پُر زور طریقہ پر تو ظاہر کیا گیا ہے لیکن ان میں تصوف کے اسرار و معارف نہیں۔ یہ کمی بعد میں سنائی نے پوری کی۔

شیخ علی ہجویری

شیخ ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری (۴۰۰ھ-۴۶۵ھ) پاکستان میں داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں۔ غزنی کے قریب ہجویر کے مقام پر پیدا ہوئے۔ شام، عراق، ایران، ماوراء النہر اور ترکستان کا برسوں سفر کیا اور اس طرح کہ نماز باجماعت کبھی قضا نہ ہوئی۔ اس سیر و سفر کے دوران میں اولیاء اور صوفیا کی صحبتوں میں رہے۔ صرف خراسان میں تین سو مشائخ سے ملے۔ اس کے بعد غزنی ہوتے ہوئے سلطان مسعود کے آخر عہد حکومت میں لاہور آئے جہاں عمر کے آخری ۳۵ سال گذار دیئے۔ لاہور میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ان کا شغل تھا۔ لاہور اور اس کے نواح میں آپ کی بدولت اشاعتِ اسلام ہوئی۔ لاہور کا ہندو نائب رائے راجو آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور شیخ ہندی نام رکھا۔ اس کی اولاد اب تک آپ کے مزار کی خدام اور مجاور ہے۔ حضرت ہجویری اس دور کے متشرع اکابر صوفیا کی طرح تصوف میں شریعت کے پابند تھے اور ان کو صوفیا کے ظاہری رسوم سے جو گذشتہ ایک صدی میں پیدا ہو گئے تھے نفرت تھی۔ ان کا قول تھا کہ "جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔" جب ہم ان کے ان خیالات پر غور کرتے ہیں اور ان رسوم کو دیکھتے ہیں جو آج ان کے مزار پر ادا کی جاتی ہیں اور ان کی تعلیمات کے منافی ہیں تو عبرت ہوتی ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ کس طرح عقابوں کے نشیمن پر زاغوں کا تصرف ہو جاتا ہے۔

شیخ ہجویری کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت "کشف المحجوب" نے حاصل کی۔ یہ فارسی میں علم تصوف کی پہلی کتاب ہے اور اس علم کی چند بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں تصوف کے طریقہ کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، صوفیوں کے حالات ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ پاکستان میں عام ہے لیکن یہ بات افسوسناک ہے کہ نہ تو ترجمہ معیاری ہے اور نہ کتابت و طباعت اس کی شایانِ شان ہے۔

تصوف کا رواج عہد غزنوی میں خراسان سے بڑھ کر مغربی پاکستان میں بھی پھیل گیا تھا۔ خراسان تو جلد ہی (۴۳۲ھ) غزنوی حکمرانوں کے قبضہ سے نکل گیا لیکن مغربی پاکستان آخر تک سلطنتِ غزنی کا حصہ بنا رہا۔ یہاں شیخ ہجویری کے علاوہ جو صوفیا گذرے ہیں ان میں لاہور کے شیخ اسمٰعیل متوفی

۵۴۲ھ - اوچہ کے شیخ صفی الدین گازرونی (۹۶۲ء - ۱۰۰۷ء) اور ملتان کے شاہ یوسف گردیزی (۴۶۲ - ۵۴۶ھ) اور سلطان سخی سرور متوفی ۱۱۸۱ء کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں مصنف کوئی نہیں تھا لیکن ان کی وجہ سے اس خطہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔

مورخین

عہد غزنویہ میں اگرچہ عتبی اور بیہقی صرف دو مصنف ایسے ملتے ہیں جنہوں نے بحیثیت مؤرخ شہرت حاصل کی لیکن ویسے اس دور میں تاریخ کے موضوع پر کافی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں بلاذری، طبری اور مسعودی کی طرح ضخیم اور جامع نہیں ہیں لیکن کئی لحاظ سے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

عتبی

ابو نصر محمد جباری جو عتبی (۳۵۰ - ۴۳۱) کے نام سے مشہور ہے۔ رے میں پیدا ہوا، پھر خراسان آگیا جہاں سامانی حاکم ابو علی سیجوری اور شمس المعالی قابوس کے کاتب کی حیثیت سے کام کیا۔ بالآخر سبکتگین کا کاتب ہو گیا۔ اس نے اپنی تاریخ ۴۱۲ھ میں محمود کی زندگی میں مکمل کی اور وزیر احمد بن حسن میمندی کو پیش کی جس کے معاوضہ میں عتبی کو گنج رستاق کا "صاحب برید" بنا دیا گیا۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف ہے لیکن اب اس کی صرف یہی تاریخ جو یمینی کے نام سے مشہور ہے ملتی ہے۔ یہ کتاب بڑی مرصع عبارت میں لکھی گئی ہے۔ جو تاریخ کی بجائے ادب کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس کی زبان کی وجہ سے بعض نقادوں نے تاریخ یمینی کو مقاماتِ ہمدانی اور حریری کے ہم پایہ قرار دیا ہے۔ دو سو سال بعد آذربائیجان کے حکمران اتابک ابو بکر محمد (۵۸۷ - ۶۰۷) کے زمانہ میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا جو عربی کی نسبت زیادہ مشہور ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ تاریخ یمینی اس وقت سبکتگین اور محمود کے حالات پر سب سے مکمل اور مستند کتاب ہے۔

بیہقی

ابو الفضل محمد بیہقی (۳۸۷ - ۴۷۰ھ) تقریباً تیس سال تک غزنی کے دیوان رسالت سے وابستہ رہا۔ سلطان ابراہیم کے زمانہ میں اس عہدہ سے معزول کر دیا گیا جس کے بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی جو تاریخ بیہقی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب عام مروجہ تاریخوں کی طرح نہیں ہے بلکہ مصنف کی یادداشت اور تجربوں پر مشتمل ہے۔ بیہقی کو ایک سرکاری عہدے دار ہونے کی وجہ سے چونکہ معاملاتِ سلطنت سے برسوں براہِ راست تعلق رہا اس لیے اس کی یہ کتاب حکمرانوں کی

زندگی، ان کے دربار، داخلی امور اور خارجی معاملات سے متعلق خود مصنف کے اپنے تجربات پر مبنی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ غزنوی سلطنت کے نظم ونسق اور انتظام سے متعلق جو قیمتی معلومات اس کتاب سے حاصل ہوتی ہیں ویسی معلومات کسی دوسرے دور کے متعلق عام تاریخوں سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ تاریخ بیہقی چھپ گئی ہے لیکن اس کے بعض اجزا گم ہیں۔

بیہقی "زینۃ الکتاب" کے نام سے کاتبوں سے متعلق ایک کتابچہ کا مصنف بھی ہے۔ لیکن اب اس کتابچہ کے صرف اقتباسات ملتے ہیں۔

عتبی اور بیہقی کے علاوہ اس دور کے مورخین میں ثعلبی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن انہوں نے شہرت چونکہ ایک ادیب کی حیثیت سے حاصل کی اس لیے ان کا تذکرہ ادیبوں کے سلسلہ میں کر دیا گیا ہے۔

البیرونی

ابوریحان البیرونی (۳۶۳ھ تا ۴۴۰ھ/ ۹۷۳ تا ۱۰۴۸ء) صحیح معنوں میں اس دور کا سب سے بڑا مورخ ہے لیکن اس نے ایک حکیم اور ریاضی داں کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی اس کی وجہ سے وہ بحیثیت مورخ زیادہ مشہور نہ ہوسکا۔

البیرونی کی دو کتابیں کتاب الہند اور آثار الباقیہ اگرچہ تاریخ کے موضوع پر نہیں ہیں لیکن تاریخی معلومات کا ایسا بیش بہا ذخیرہ ہیں جسے کوئی مورخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔ فنی نقطۂ نظر سے بھی بحیثیت ایک مورخ کے البیرونی کا پایہ بہت بلند ہے۔

"کتاب الہند"[۱] ہندوؤں کے عقائد، علوم اور ان کی تاریخ سے متعلق ہے۔ ہند قدیم کے بہت سے گوشے آج محض اس کتاب کی وجہ سے روشن ہیں۔ اسی طرح آثار الباقیہ ریاضی کے ایک خاص موضوع پر ہے لیکن اس میں بہت سی دلچسپ علمی اور تاریخی معلومات ہیں۔ یہ کتاب فی الحقیقت قدیم اہل ایران، اہل خوارزم، اہل صغد اور اہل سمرقند کے مذہبی، علمی اور تاریخی مسائل کی تنقیدی تاریخ ہے۔ اس میں قدیم قوموں کے تہواروں، عقائد اور مذہبی پیشواؤں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ آج یہ معلومات اس

---

[۱] کتاب الہند کا اردو ترجمہ قیام پاکستان سے قبل انجمن ترقی اردو ہند دو جلدوں میں شائع کرچکی ہے۔

کتاب کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

البیرونی قدیم تاریخی واقعات پر عقلی حیثیت سے نظر ڈالتا ہے اور بے سروپا قصوں پر بے لاگ تنقید کرتا ہے۔ تنقید کا یہ انداز اس وقت تک مسعودی اور ابن مسکویہ کے علاوہ کسی اور مورخ نے اختیار نہیں کیا تھا۔

البیرونی نے سلطان محمود کے زمانہ کی تاریخ اور اس کے باپ کے حالات بھی لکھے تھے اور کتاب المسامرۃ کے نام سے اپنے وطن خوارزم کی تاریخ بھی لکھی تھی لیکن افسوس کہ یہ کتابیں اب نایاب ہیں ورنہ ان سے اس زمانہ کی تاریخ پر بڑی روشنی پڑتی۔

تاریخ سے متعلق البیرونی کی ان تصانیف کے بعد جب اس کی اُن خدمات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اس نے ایک ریاضی داں، ہیئت داں اور ماہر جغرافیہ کی حیثیت سے انجام دی ہیں تو اس کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے۔ بعض مورخین نے اس کو سب سے بڑا مسلمان حکیم اور سائنس داں قرار دیا ہے اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ دنیا کے ممتاز ترین سائنس دانوں میں سے ایک ہے۔

البیرونی نے سلطان مسعود غزنوی کے زمانہ میں غزنی کی رصدگاہ میں علم ہیئت کے تجربے کئے تھے اور اپنی تحقیق کے نتائج ایک کتاب کی شکل میں مرتب کئے جس کا نام "قانونِ مسعودی" ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اجرامِ فلکی سے متعلق اس کتاب میں پہلی مرتبہ کئی ایسی معلومات پیش کی گئی ہیں جن کا یورپ کو سترھویں صدی میں علم ہوا۔ "قانون مسعودی" ریاضی اور ہیئت کی اتنی بلند پایہ کتاب ہے کہ اگر البیرونی اس کے علاوہ دوسری کتابیں نہ لکھتا تو بھی اس کا نام ایک عظیم ریاضی داں کی حیثیت سے زندہ رہتا لیکن البیرونی علومِ حکمیہ میں اور بھی کئی بلند پایہ کتابوں کا مصنف ہے۔ ان میں ایک "کتاب التفہیم"[1] ہے۔

البیرونی نے جو مختلف سائنسی تجربے کئے تھے ان کا ایک دلچسپ خلاصہ سارٹن نے اپنی کتاب مقدمہ تاریخ سائنس میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "البیرونی نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے یا نہیں لیکن وہ اس سلسلہ میں کسی یقینی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا۔ اس نے کثافتِ نوعی (SPECIFIC GRAVITY) کی تحقیقات کی اور اٹھارہ جواہرات اور دھاتوں کی کثافت حیرت انگیز طور پر صحیح معلوم کی۔ اس نے بتایا کہ آواز کے مقابلہ میں روشنی کی رفتار تیز ہے۔ اسی طرح اس نے یہ بھی بتایا کہ کسی چیز کے

---

[1] کتاب التفہیم اصل عربی میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہوچکی ہے۔

ایک برتن سے دوسرے برتن میں منتقل کرنے کے ماسکونی اصول (HYDROSTATIC PRINCIPLES) کے ذریعہ قدرتی چشموں اور کنوؤں کے پانی کے اخراج کا عمل کس طرح ہوتا ہے۔"

اسی طرح اہل پاکستان کے لیے اس کی یہ تحقیق کس قدر دلچسپ اور صحیح ہے کہ "آج جہاں وادی سندھ ہے عہد قدیم میں وہاں سمندر تھا۔ بعد میں دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے رفتہ رفتہ یہ سمندر پٹ گیا" موجودہ دور کے ماہرین طبقات الارض نے البیرونی کے اس خیال کی جو گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ظاہر کیا گیا تھا تصدیق کر دی ہے۔

البیرونی کی علمی تحقیقات کا ابھی تک مکمل جائزہ نہیں لیا گیا ہے اور اب تک اس سلسلہ میں جو کچھ کام ہوا ہے وہ اہل یورپ نے انجام دیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ کوئی مسلمان مورخ نہیں بلکہ کوئی مسلمان سائنس دان، اس کی سائنسی کتابوں کا بغور مطالعہ کرے اور علوم حکمت کی تاریخ میں اس کے صحیح مقام کا تعین کرے۔

تشبیہاتِ رومی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مولانا جلال الدین رومی تشبیہہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے اخلاقی و روحانی مسائل کو سلجھانے اور ہر ایک باریک نکتے کی وضاحت کرنے کے لیے ایسی دلنشیں تشبیہہ دیتے ہیں جو تحقیق آفریں بھی ہوتی ہے اور وجد آور بھی۔ رومیات کے مشہور عالم اور نامور مفکر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے ان تشبیہات کی بڑے دلکش اور وجد آفریں انداز میں تشریح کی ہے اور ان کی یہ تصنیف حکمت و معرفت کا ایک بحر ذخار ہے جس کی اشاعت سے اردو زبان کے افادی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ خوشنما ٹائپ۔ دیدہ زیب طباعت۔ عمدہ کاغذ۔ قیمت: آٹھ روپے

الٰہیاتِ رومی (انگریزی)

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اس بیش بہا تصنیف میں رومی کے ان افکار و تصورات کی حکیمانہ تشریح کی گئی ہے جو الٰہیاتِ اسلامی کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب عالم مادی، عالم روحانی، تخلیق، ارتقا، عشق، مشیت، انسان کامل، فنا و بقا، وجود باری تعالیٰ، وحدت وجود اور وحدت شہود جیسے اہم ابواب پر مشتمل ہے اور رومی کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ قیمت ۳ روپے ۱۲ آنے

ملنے کا پتہ:۔ سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور